تبصرہ و تعارف

میری کتابیں اور مبصرین

مرتب: ڈاکٹر صادق
صفحات: ۱۶۰، قیمت:۱۰۰
ملنے کا پتا: ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی۔110006

ڈاکٹر صادق اپنی ادبی، تہذیبی اقدار اور نقد ونظر کے حوالے سے ایک خصوصی شناخت رکھتے ہیں۔ وہ اپنی ہندی اور اردو دونوں تصانیف کے باوصف ادیبوں کی اس فہرست میں شامل ہیں، جنھوں نے دونوں زبانوں کی آبیاری میں نہ صرف اپنا خونِ جگر شامل کیا ہے، بلکہ ہندی اردو ادب کی زرخیز زمینوں سے خوشہ چینی کرتے ہوئے وہ ادبی شاہکار ادبی دنیا کو دیے، جس کے لیے ان کے ہم عصر ادیبوں کے ساتھ ساتھ نئی نسل بھی ان کی شکر گزار ہے اور رہے گی۔ حالاں کہ ان کی بعض تخلیقات تنقید کا نشانہ بھی بنیں، لیکن ایسی تنقیدیں ادب کا حصّہ ہیں اور ان سے نقصان کے بجائے مصنف اور ادب دونوں کو فائدہ پہنچتا ہے۔ اس لیے کہ ناقدین ادب جو کچھ بھی لکھتے ہیں، وہ تاریخ کا حصّہ ضرور بنتا ہے اور آنے والی نسلوں کے لیے رہنمائی کا ذریعہ بھی۔

پیش نظر کتاب 'میری کتابیں اور مبصرین' اپنی نوعیت کی منفرد کتاب ہے جس میں 'پیش لفظ' کے علاوہ ڈاکٹر صادق کے بقول ان کا کچھ بھی نہیں حالاں کہ سب کچھ انھی سے متعلق ہے۔ اس کتاب کا مقصد واضح ہے کہ ڈاکٹر صادق کی شائع شدہ تمام تصنیفات وتالیفات سے قارئین کو متعارف کرایا جائے۔ اگرچہ وہ اتنے گمنام بھی نہیں کہ ماضی قریب یا حاضر کے ادیب وناقدان کے نام سے ناآشنا ہوں۔ بہرحال یہ ایک کامیاب کوشش ہے۔ اس طرح کی چیزیں سامنے آنی چاہئیں تاکہ مصنف کی تمام تصنیفات وتالیفات ایک ہی کتاب میں قارئین کو مل جائیں اور ان تبصروں کو پڑھ کر وہ اپنی پسند کی تصنیف کا باقاعدہ مطالعہ کر سکے۔

اس کتاب میں ان کی شاعری پر بھی گفتگو کی گئی ہے اور تنقیدی وادبی رجحانات پر بھی۔ ان کی شاعری پر گفتگو کرتے ہوئے پروفیسر عتیق اللہ نے لکھا ہے کہ ''جدید اردو شاعری کے باب میں صادق کا شمار آٹھویں دہائی میں پروان چڑھنے والی نسل میں کیا جاتا ہے۔ صادق ایک اہم شاعر ہے اور تخلیق کی نزاکتوں سے بہ خوبی واقف ہے۔ اس کے یہ ترجمے محض ترجمے نہیں بلکہ ان تخلیقی لمحوں کی بازیافت بھی ہیں، جو اصلی نظموں کی رگ وپے میں مضمر ہیں۔ اصل سے تخلیقی رشتہ جوڑنے کے باعث بھی ان نظموں میں دوئی کا شبہ نہیں ہوتا۔''

واضح رہے کہ ڈاکٹر صادق نے نئی ہندی شاعری اور نئی مراٹھی شاعری کے ترجمے بھی کیے ہیں، جن کے انداز شاعری پر گفتگو کرتے ہوئے پروفیسر عتیق اللہ نے مذکورہ خیالات کا اظہار کیا ہے۔

ڈاکٹر صادق کئی زبانوں کے عالم ہیں۔ ان کی کتاب 'چند مضامین' پر تبصرہ کرتے ہوئے وہاب عندلیب نے لکھا ہے کہ.... پروفیسر صادق کتنی زبانیں جانتے ہیں اس کا اندازہ نہیں ہے، ان کے ریڈیائی ڈرامے مختلف مراکز سے ۱۲ زبانوں میں براڈ کاسٹ ہوئے ہیں۔ 'چند مضامین' پڑھتے ہوئے ہمیں ان کی علمی استعداد، زبان دانی اور مختلف زبانوں سے کل و جزوی واقفیت کا احساس ہوا۔''

ڈاکٹر صادق کی تقریباً ۲۹ کتابوں پر اس کتاب میں شامل ابوالکلام قاسمی، تنویر احمد علوی، قمر رئیس، عتیق اللہ، ارتضیٰ کریم، اسلوب احمد انصاری، بلراج کومل اور عظیم الشان صدیقی وغیرہ جیسی نابغۂ روزگار شخصیتوں کے تبصروں سے ان کتابوں کی اہمیت وافادیت سے کا اندازہ ہوتا ہے۔ تمام ناقدین ادب نے ڈاکٹر صادق کے ادبی موضوعات پر لکھے گئے مضامین پر تبصروں میں ان کے سنجیدہ علمی مطالعے اور معروضی انداز تحریر کو سراہا ہے۔

یقین ہے اردو دنیا میں اس کتاب کا اس کے شایان شاں استقبال کیا جائے گا۔

تبصرہ نگار: ڈاکٹر منور حسن کمال
N-93، ابوالفضل انکلیو، جامعہ نگر، نئی دہلی، موبائل: 9873819521

آخری ایشور (اُڑیا ناول)

مصنفہ: ڈاکٹر پرتیبھا رائے
مترجم: عبدالمتین جامی
صفحات: ۳۶۰، قیمت:۶۰۰/روپے
ناشر: ایجوکیشن پبلشنگ ہاؤس، ایچ۔او۔انصاری روڈ، دریا گنج، نئی دہلی۔110002

ڈاکٹر پرتیبھا رائے کی کتاب ''آخری ایشور'' ایک ضخیم کتاب ہے۔ یہ ایک اڑیا ناول ہے جس کا عبدالمتین جامی نے اردو زبان میں ترجمہ کیا ہے۔ یہ کتاب ان لوگوں کے لیے ایک بہترین کتاب ہے جو دوسری زبانوں کے ادب کو پڑھنے کا شوق رکھتے ہیں۔ مصنفہ نے اس ناول کو شعور کی رو تکنیک کے ذریعے آگے بڑھایا ہے۔ کتاب میں سب سے پہلے

عبدالمتین جامی کا لکھا پیش لفظ ہے جس میں ناول کی کہانی سے متعلق مختصر معلومات ہے۔ ناول میں کہانی ایک یتیم لڑکے ماساک نو مارڈ سے شروع ہوتی ہے۔ جس کو اس کے والدین نے میور بھنج ضلع کے ایک جنگلی پہاڑی علاقے میں آبشار جھرنے کے پاس ڈال دیا تھا۔ اسی حالت میں یہ معصوم بچہ کو لی ڈالا کے ساتھ اس آدی باسی ساندرا مالاک کو ملتا ہے جو اس کو اٹھا کر اپنے گھر لے جاتا ہے۔ اس کی بیوی کرپی اس کو پالتی ہے۔ کچھ بڑا ہونے پر مختلف اختلافات کے سبب کبھی اس کو ہپی ہوم میں فادر فرینک کے پاس پڑھنے کے لیے بھیج دیا جاتا ہے۔ مذہبی منافرت کے سبب فادر فرینک کو ان کے تین بچوں کے ساتھ دہشت گردوں نے انھیں ان کی کار میں ہی زندہ جلا کر مار ڈالا تھا۔ ماساک اپنی جان بچا کر اِدھر اُدھر بھٹکتا پھرتا ہے۔ اس کو اپنے اصل ماں باپ کا پتہ نہیں، اس کو اپنی زندگی میں بہت سے پریشان کن حالات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ مصنف نے اس شخص کے ذریعے مختلف مذاہب اور سماج پر تنقید کی ہے۔ مصنفہ نے مختلف مذاہب پر اس طرح تنقید کی ہے کہ اپنے آبائی مذہب کو بھی نہیں چھوڑتی ہیں اور طنزیہ جملے بھی ادا کرتی ہیں۔

اسی طرح انھوں نے سماج پر تنقید کی ہے کہ ہمارے سماج میں باپ کو ہی اہمیت دی جاتی ہے ماں کو کیوں نہیں؟ اس بات کی وضاحت کے لیے ناول میں جو سیر و کیسی مدر ''نٹیسا'' ماساک کو ملتی ہے جو کہ اب تک چار بچوں کو پیدا کر کے پیسہ کمانے کی ذلت سے عاجز آ چکی ہے پر اس کا ابھی تک کسی مرد سے کوئی تعلق نہیں رہا۔ اس کے اس کام نے ایک کاروبار کی شکل اختیار کر لی جس کے بدلے وہ پیسہ کما کر اپنے باپ کی بیماری کا علاج کراتی ہے پر اب وہ ماساک کے ذریعے جنسی تعلق قائم کر کے ایک بیٹی کو جنم دینا چاہتی ہے جس کے سہارے وہ اپنی زندگی گزار سکے۔ نٹیسا سے ماساک معلوم کرتا ہے کہ باپ کے نام کو پوچھے جانے پر کس کا نام بتاؤ گی؟ کہتی ہے کہ آخر مرد کے نام کو کیوں اہمیت دی جاتی ہے؟ اسی بیچ وہ ماساک کے قریب آ جاتی ہے پھر اپنا مقصد پورا کر کے ماساک کو بنا بتائے سمندری جہاز سے اُتر جاتی ہے۔ اب ماساک اپنی تصوری بیٹی ''یانا'' کے لیے فکر مند ہوتا ہے کہ کہیں اس کا بھی وہی حشر نہ ہو جو اس کا ہوا جس کو وہ ابھی تک بھگت رہا ہے۔ مصنفہ کے ذریعے یہ حالات بھی ایک اہم سوال ہیں؟ نٹیسا کسی ایک مرد کے ساتھ تعلق بنانا چاہتی ہے تا کہ اس کی اپنی ایک اولاد ہو سکے جس کو وہ اپنا مان سکے۔ اب ماساک جس سے اس لڑکی نے تعلق بنایا تھا وہ اس کے لیے پریشان اور فکر مند ہے کہ اس کی تصوری بیٹی ''یانا'' کا بھی ہماری طرح حال نہ ہو۔ اس کو بھی دردر کی ٹھوکریں نہ کھانی پڑیں۔ اس طرح مصنفہ نے سماج پر تنقید کی ہے اور ایک سوالیہ نشان کھڑا کیا ہے؟ اور سماج میں جو برائیاں پنپ رہی ہیں ان پر سچائی سے لکھا ہے۔ اس طرح ماساک سماج سے یا اس دنیا سے یا پھر اس دنیا میں رہنے والے لوگوں سے اُوب چکا ہے اور اب وہ تنہائی میں رہنا چاہتا ہے مگر تنہائی میں بھی اس کو وہی تصویریں نظر آتی ہیں سمندر کے سفر سے ڈوبتا بچتا اور اب وہ خودکلامی کی کیفیت سے دوچار ہوتا ہے کہتا ہے کہ اب جب میں انسانوں سے دور بھاگ آیا ہوں اور جس کی تلاش میں اب تک رہا اور مجھے مختلف حالات کا سامنا رہا اس کے باوجود میں اب تک زندہ ہوں تو کیوں اور کیسے اور کس لیے ہوں؟ اس کے بعد وہ اب حق کی تلاش میں نکلتا ہے کہ کوئی ''آخری ایشور'' ہے جو اس دنیا کے نظام کو چلا رہا ہے اور کہتا ہے کہ اُسی نے مجھے اب تک زندہ رکھا ہے اور اب وہ ایک پہاڑ کی گپھا میں اپنے مطابق اس ''آخری ایشور'' کی تصویر کشی کرتا ہے۔ بہرحال وہ ناول میں اپنے قارئین کو زندگی کے آخری لمحے میں بھی اُمید کا دامن تھامے رکھنے کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

جس طرح مصنفہ نے اس ناول کو محنت اور عرق ریزی سے تحریر کیا ہے ترجمہ نگار نے بھی اس اُڑیا ناول کا اردو میں ترجمہ کرنے میں بھی کافی محنت صرف کی ہے۔ ان کی محنت ہی کے سبب ہم اس اُڑیا (آخری ایشور) ناول سے متعارف ہو سکے ہیں۔ راقمہ کی نظر میں انھیں اُڑیا زبان پر عبور حاصل ہے۔ جس میں وہ پوری طرح کامیاب بھی ہوئی ہیں۔

تبصرہ نگار: ڈاکٹر شاہین پروین
3246، بہادر گڑھ روڈ باڑہ ہندوراؤ، دہلی، موبائل: 9717214835

کچوکے (شعری مجموعہ)
شاعر: مطرب سلطانی جارچوی
صفحات: ۱۶۰، قیمت: ۱۸۰/روپے
ملنے کا پتہ: A778، نانگلوئی2، دہلی

مطرب سلطانی جارچوی کے مجموعۂ کلام ''کچوکے'' کو از اول تا آخر پڑھنے کا موقع نصیب ہوا تو معلوم ہوا کہ شاعری بھی اُن کی شخصیت کی طرح اثر انگیز ہے اور دلوں کو مسخر کرنے والی ہے۔ آپ کی شاعری کا اُسلوب یا رنگ (جسے لہجے کا نام بھی دیا جاتا ہے) بلا کی انفرادیت کا حامل ہے۔ ویسے تو مطرب صاحب کے شعری اُسلوب کو جدید لب و لہجے کے زُمرے میں ہی رکھا جائے گا، لیکن ایک لہجہ اور ہے جو موصوف کی شاعری میں نمایاں طور پر محسوس ہوتا ہے جسے صرف لہجہ (بولنے کا انداز) ہی کا نام دیا جا سکتا ہے۔ عموماً شعرا کو ''جدید لہجے کا شاعر'' یا ''قدیم لہجے کا شاعر'' یا ''جدید اور قدیم لہجہ کا شاعر'' کا نام دیا جاتا ہے، لیکن مطرب صاحب کے

اس فطری لہجے کی وجہ سے صرف ''لہجے کا شاعر'' کہا جاسکتا ہے۔ہم اپنی گفتگو میں کبھی کبھی ایسے جملے استعمال کرتے ہیں جن کا صحیح مطلب بولنے کے انداز یعنی لہجے سے پتہ چلتا ہے۔ایک بہت معمولی جملہ ہے:''گھر جائے گا''اس جملے کا سیدھا سادہ مطلب ہے، لیکن اسی جملے کو ڈانٹ ڈپٹ اور تنبیہ کے لہجے میں بولا جائے تو معنی بالکل برعکس ہوجائیں گے۔ لہجے کے معاملے میں ایک اور جملے کی مثال کثرت سے دی جاتی ہے۔وہ جملہ ہے:''روکو مت جانے دو''یہ جملہ اپنا اصل مدعا ،اُسی صورت میں بیان کرسکتا ہے جب بولنے والے کا لہجہ سامنے ہو،ممکن ہے اِن دونوں مثالوں سے میرا منشا آپ کے ذہن تک رسائی کر جائے۔اس ضمن میں مطرب صاحب کا ایک شعر پیش خدمت ہے:

دیکھنا کہیں کوئی آہ تو نہیں بھرتا
کس بلا کی سوزش ہے آج ان ہواؤں میں

صیاد میری فطرتِ پرواز زندہ باد
وہ دیکھ! اڑ رہے ہیں مرے پر کٹے ہوئے

لہجے کی اس شاعری کے علاوہ سخت ردیف وقوافی کا کامیاب استعمال کیا ہے۔عام طور سے سنگلاخ زمینوں میں شعر کہنے والے ردیف و قوافی کا ساتھ نہیں دے پاتے اور نہ ہی کلام میں جاذبیت اور شعریت پیدا کر پاتے ہیں۔ان کے شعروں سے محسوس ہوتا ہے کہ ردیف اور قوافی کے ساتھ زبردستی کی گئی ہے،لیکن محترم مطرب سلطانی جارچوی کے اکثر اشعار سخت زمین اور ثقیل ردیف اور قافیوں کے باوجود شعریت کا مکمل حق ادا کررہے ہیں۔مثلاً:

بیچ کے اپنے دل کا ہیرا اونے پونے، ناچ رہے ہیں
بوڑھی دھوپ میں دیکھ اپنے سائے بونے ناچ رہے ہیں

مطرب صاحب نے جہاں ایک طرف روزمرہ اور عام بول چال کے لہجے کو اپنی شاعری میں برتا ہے، وہیں رنگِ تغزل سے بھی اپنی غزلوں کو آراستہ کیا ہے۔مثلاً:

قسم کھاتے ہیں پھر اپنی قسم کو توڑ دیتے ہیں
قسم پر بادہ نوشوں کو گھٹا ٹکنے نہیں دیتی

زندہ قوموں کی ایک علامت یہ بھی ہے کہ وہ اپنے اسلاف اور ان کے کارناموں کو کبھی فراموش نہیں کرتیں۔مطرب سلطانی جارچوی نے بھی اس روایت کو زندہ رکھا ہے۔وہ آج بھی اپنے بزرگوں کے اقوال کو اپنے لیے مشعلِ راہ سمجھتے ہیں۔ان کی غلامی اور پیروی کو اپنے لیے سعادت کی بات سمجھتے ہیں۔ان کی ذاتی زندگی سے بھی اس کا اظہار ہوتا ہے اور ان کی شاعری سے بھی یہ بات ثابت ہوتی ہے۔آپ بھی مطرب صاحب کے اس پاکیزہ رنگ سے فیض حاصل کرسکتے ہیں:

اِس کی کہاں مجال بھرے عاشقی کا دم
عاشق نہیں غلام ہے مطربؔ حسین کا

''کچوکے''میں کہیں کہیں زندگی کے نشیب وفراز کی طرح اتار چڑھاؤ قارئین کو کچھ سوچنے پر مجبور کرسکتا ہے مگر اس کی حیثیت کسی خوبصورت مکان کے باہر لگے اُس کالے مٹکے یا کسی گاڑی کے ٹائر کی سی ہے جو بری نظر سے بچنے کے لیے ٹانگ دیا جاتا ہے۔

الغرض اردو اکادمی دہلی کے مالی تعاون سے شائع ہونے والا یہ شعری مجموعہ اپنے نام کی طرح قارئین کو اپنی جانب متوجہ کرنے میں کامیاب رہے گا۔

تبصرہ نگار: شہادت علی نظامی
C-282،خیالہ کالونی،نئی دہلی،موبائل:9213737885

شورِ عنادِل (شعری مجموعہ)
مصنف: ڈاکٹر کلبِ حسن حزیں
صفحات: ۲۰۰، قیمت:۲۰۰/روپے
پبلشر: مکتبہ فقیہ ملت،مٹیا محل،دہلی

کلبِ حسن حزیں ٹانڈہ امبیڈکر نگر کی ایک ایسی شخصیت ہیں جنھوں نے پیشہ ڈاکٹری کا اپنایا،لیکن خدمت اردو شعروادب کی کی۔پیش نظر مجموعہ ''شورِعنادِل'' ان کا نواں شعری مجموعہ ہے۔اس سے قبل موصوف کے آٹھ اور شعری مجموعے منظر عام پر آکر داد وتحسین حاصل کرچکے ہیں۔ مذکورہ آٹھ مجموعوں کے نام جو مصنف نے رقم کیے اس طرح ہیں''تپتے زخم'' (ہندی کا شعری مجموعہ)،''رقص غبار''،''تطہیر''،''تنویر کربلا''،''ابر گہر بار''،''گلہائے مودت''،''افکار حزیں''اور''آبِ رواں''۔انھوں نے معجز جلال پوری کی شاگردی اختیار کی اور اپنے کارواں کو آگے بڑھایا۔ان کی غزلوں میں ہمیں یکے بعد دیگرے الگ الگ موضوعات نظر آتے ہیں کہیں سوز وگداز ہے تو کہیں فکر اور فلسفہ کی رنگینی،کسی جگہ نازک خیالی سے کام لیتے ہیں تو کہیں رِندوں کی سی سرمستیاں دیکھنے کو ملتی ہیں۔انھوں نے دلی جذبات واحساسات کو الفاظ کا جامہ پہنا کر قارئین کے سامنے پیش کردیا ہے۔ان کی شاعری میں موجودہ دور اور اس میں بسنے والے لوگوں کے ذہن اور ان کے رگ وپے میں سمائی ہوئی عیاری کو انھوں نے بخوبی ظاہر کیا ہے۔سماج میں پنپ رہی برائیوں اور اس کی تلخ حقیقتوں کو

موصوف نے اپنی شاعری کے ذریعہ ادا کیا، ساتھ ہی روایات کو اپنانے کے علاوہ جدید طرزِ تغزل کو بھی اپنایا ہے اور قاری کے لیے سامانِ تسکین فراہم کیا ہے۔ ڈاکٹر کلبِ حسن حزیں نے اپنی شاعری کے ذریعہ ادب برائے زندگی کا فلسفہ پیش کیا ہے جس کا کتاب میں شامل ''اپنی بات'' میں اعتراف بھی ملتا ہے۔

زیرِ تبصرہ کتاب ''شورِ عنادِل'' میں شامل اشعار اور غزلوں کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ انھوں نے عام آدمی کی زندگی کو سامنے رکھ کر، اس کے دکھ سکھ میں شامل ہوکر، اس کی پریشانیوں اور درپیش مسائل سے دوچار ہوکر اور ان میں اپنی ذات کو شامل کر کے اس سے اپنی شاعری کا مواد اکٹھا کیا ہے، جس میں حالات حاضرہ پر بیشتر اشعار ملتے ہیں۔ آج کے دور میں انسان چاروں اطراف سے مسائل میں گھرا ہوا ہے جس میں روٹی کپڑا اور مکان کو مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ اس کے علاوہ موصوف نے سیاست پر بھی وار کیا ہے اور ساتھ ہی عورتوں کی بے پردگی اور مغرب پرستی کو بھی انھوں نے اپنے اشعار میں پیش کیا ہے۔ اسی ضمن میں زیرِ نظر مجموعہ سے درج ذیل اشعار پیشِ خدمت ہیں:

تصویر کائنات میں ہے جس سے رنگ و بو
عریاں سرِ بازار وہی سیمیں بدن ہے

آ گئی تہذیبِ نو کی زد میں جب سے زندگی
آ گیا سارا جہاں بے پردگی کے موڑ پر

درج بالا اشعار سے ڈاکٹر کلبِ حسن حزیں کے افکار و خیالات کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے جس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ یہ مغرب پرستی اور صنفِ نازک کی بے پردگی سے نالاں ہیں اور اس طرح انھوں نے اخلاقیات کے موضوع کو بھی اپنی شاعری میں جگہ دی ہے۔ بیشتر غزلوں کو پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے یہاں غم والم اور سوز و گداز سے پُر اشعار کی بھرمار ہے یہ غم والم ان کا نجی بھی ہوسکتا ہے اور پھر کون ہے کہ اس وقت کسی نہ کسی مسئلہ سے دوچار نہ ہو اور کلبِ حسن حزیں کے اس درد کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ ان کا نوجوان بیٹا حیدر عباس اس دارِ فانی سے رخصت ہو گیا، یہ دہلی میں انجینئر تھے، جس کے سبب انھیں شدید جھٹکا لگا اور انھوں نے بسترِ علالت کا ہاتھ تھام لیا، جس کا اندازہ اس شعر سے ہوتا ہے:

آسائشِ حیات کی کوئی نہیں کمی
سب کچھ ہے میرے پاس پہ مرا لختِ جگر نہیں

ان کے علاوہ زیرِ نظر مجموعہ کے متعلق زبان و بیان پر غور کیا جائے تو اس میں ہمیں پرانی املا کے استعمال پر بار ہا نظر ٹھہرتی ہے جس میں انھوں نے کئی بلکہ بیشتر الفاظ میں جدید املا کی جگہ پرانی املا کو فوقیت دی ہے اور اسے ٹائپسٹ کی غلطی کہہ کر دور نہیں کیا جا سکتا جیسے اسکو، ہمکو، تمکو، انکو، ابکے، لیکے، اسنے، ابتک، مجھکو، آپکے، سبکو، اسقدر، اسکا، خوشرنگی، خوشگمانوں، اسدن، اکدن، ڈالدی، اسدرجہ، پڑھئے، لئے، پوچھئے، دیکھئے، رہئے، کردئے، لئے وغیرہ وغیرہ۔ ایک اور بات جو قابلِ غور ہے وہ یہ کہ ان کے یہاں ہمیں تلمیح زیادہ ملتی ہے جس میں شیریں فرہاد، لیلیٰ مجنوں، سکندر و دارا، موسیٰ، نمرود، دریائے نیل، کربلا کا واقعہ جیسی تلمیحات ان کے اشعار میں جا بجا نمایاں ہیں ساتھ ہی انھوں نے اپنے جذبات کو مختصر بحر میں پیش کیا ہے اور طویل بحور سے احتراز کیا ہے۔ ان کے یہاں تشبیہ و استعارہ عنقا ہیں اور صاف ستھری سادہ زبان میں شاعری کی ہے۔ ان کی شاعری میں تخلیقی مضمرات اور فنی لوازمات نہ کے برابر ہیں، اس کے علاوہ رومانیت سے عاری اشعار ملتے ہیں اور غم و یاس کی گہری فضا ان کی شاعری کا خاصہ ہے۔ زیرِ نظر مجموعہ کا انتساب موصوف نے اپنی بھتیجی کوثر فاطمہ کے نام کیا ہے۔ کتاب کی ابتدا حمدِ باری تعالیٰ، نعت رسولِ اکرمؐ اور اس کے بعد سلام سے کی گئی ہے پھر اس کے بعد غزلوں کی باری ہے۔ ان کے یہاں انسان دوستی کا عنصر واضح نظر آتا ہے جو اس شعر سے بھی نمایاں ہے:

مرے تھے بم سے جو کل سات بچے
ابھی لاہور میں اس کا اثر ہے

یہ تذکرہ ہے اس بم دھماکے کا جو ابھی چند سال قبل لاہور کے ایک اسکول میں ہوا تھا جس میں کئی معصوم بچے جاں بحق ہوئے تھے اور سبھی نے اس حادثے کی کافی مذمت کی تھی، خواہ بچے کہیں کے بھی ہوں حادثہ دل دہلانے والا ہے اور اسی واقعہ کو ڈاکٹر صاحب نے اس شعر کے ذریعہ پیش کیا ہے یہ انسان دوستی کا ہی جذبہ ہے جو ان کی شاعری میں قدم قدم پر نمایاں ہے۔ آخر میں کتاب کی قیمت کی بات کریں تو میرے نزدیک قیمت زیادہ ہے، کچھ ایسی غلطیاں ہیں جو پروف کی کہی جا سکتی ہیں، تذکیرو تانیث کا مسئلہ بھی دیکھنے میں آیا، اس کے باوجود اُمید کی جانی چاہیے کہ اردو دنیا میں اس مجموعہ کا استقبال کیا جائے گا۔

تبصرہ نگار: ثمرین
شعبۂ اردو، جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی، موبائل: 991444753

◆◆◆